

علی عمران

محمد فاتح عالم

0321-4999155

45+35

بذرداہ پئی مرلے

بمعابر قابل اخراجات

# البراری

مدد سے تحریک کا اپنے ادارہ

اکتوبر و نومبر میں ٹکٹ سے نہ استردگاں کی رہتی ہیں

سائز	ماہانہ قسط	ایوانس	1 سال بعد	2 سال بعد	3 سال بعد	کل قیمت	
105,000	10,000	10,000	10,000	15,000	1500	3 مرلے	3
160,000	12,000	12,000	12,000	24,000	2500	4 مرلے	4
200,000	15,000	15,000	15,000	30,000	3200	5 مرلے	5
400,000	20,000	20,000	20,000	60,000	7100	10 مرلے	10

خصوصیات: کشادہ روڑ، سورج، بکلی، سوئی گس، چار دیواری، سکورٹی گیٹ

سرکاری ہسپتال، سکول، مسجد، پارک، قبرستان، کلی ہووا در فضا، سریز شاداب حلائق

بیونورٹی آف انجینئرنگ ایڈیشنلز ایچ ای جی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کالاشاہ کا انترچینج سے 5 کلومیٹر ■ بذرداہ انگ روڑ سے 5 کلومیٹر کے فاصلے پر  
چاند اڈھریل زون اور موڑے بائی پاس سے 5 کلومیٹر کے فاصلے پر ■ میرا پاکستان سے 7 کلومیٹر کا فاصلہ ■ شاہدروہ پوک سے 4 کلومیٹر کے فاصلے پر

امامیہ مارکیٹ، امامیہ کالونی، جی ٹی روڈ، شاہدراہ لاہور

موبائل: +92-321-4999155، +92-321-49994447، فن: +92-42-7964447

ایمیل: albadar5@hotmail.com

مصوری پر اپنی لکرزا (اظہر الاسلام مصوری)

فون: +92-21-4244101، +92-321-2290029، +92-333-2399852

حرم ریل اسٹیٹ

## اسلامی فکر و ثقافت کی قرآنی بنیادیں:

### وچی

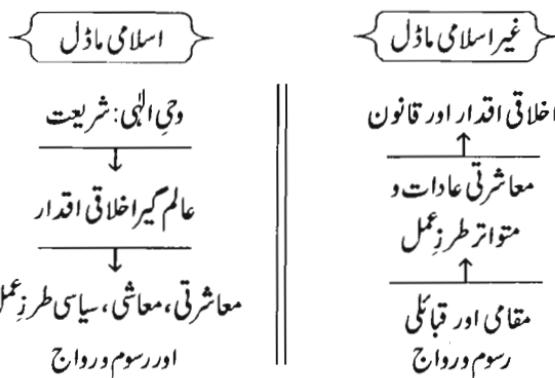
ڈاکٹر انیس احمد

اسلامی فکر و ثقافت کی سب سے نمایاں اور مرکزی پہچان اور خصوصیت اس کا بھی بروتی ہوتا ہے۔ یہ وہ جو ہری پہلو ہے جو اس ثقافت کو انفرادیت بخشا ہے۔ دنیا کی اکثر ثقافتیں اور افکار اپنے آپ کو کسی فرد، خطے یا دور سے وابستہ و مسلک کرتے ہیں چنانچہ نوافل اطہونیت ہو یا یونانی فکر، بازنطینی فن تعمیر ہو یا ویدا اؤں اور مہابھارت کا دور، ساسانی ثقافت ہو یا نوبیائی قبائل کے رسم و رواج، یہ سب اپنی فکر و ثقافت کو خطہ زمین یا فردا اور تاریخ کے ایک مخصوص دور سے اپنی وابستگی کی بنا پر پہچانی اور پکاری جاتی ہیں۔ انسانی فکر کو مطلق اور حقیقی مانے والی تمام تہذیبوں میں خطے اور وقت کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ تہذیب و ثقافت کی پیدائش کسی صحرائیں ہوئی ہو یا کسی شہری آبادی میں، اس کی جڑیں ہمیشہ مقامی رسم و رواج، فکر اور بودو باش میں پائی جاتی ہیں چنانچہ کسی بھی قوم یا گروہ کے رسم و رواج عرصہ دراز تک عمل کرنے کے نتیجے میں ایک قدر (vaule) اور ایک اصول (norm) کا مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی بنا پر ہم جس ثقافت و تہذیب کو مغربی کہتے ہیں وہ یورپی اقوام کے بودو باش، لباس، غذا اور طرزِ حیات کے نتیجے میں رواج پا جانے والے طرزِ عمل کا نام ہے۔ اسی طرح ہندستانی کلچر ان رسم و رواج کے جو مقامی طور پر ہندستان میں بننے والے دراوڑ، برہمن اور دیگر ذاتوں کے افراد نے اختیار کیے اور ایک حصے تک ان پر عمل کے نتیجے میں وجود میں آیا اور ان رسم و رواج نے آہستہ آہستا ایک قدر اور اصول کا مقام حاصل کر لیا۔ مغرب ہو یا مشرق،

اقدار و قانون کو ہمیشہ زمان و مکان کی پیداوار اور انسانی ارتقا، ہی سے وابستہ کیا جاتا ہے اور اس بنا پر یہ بات بطور ایک کلیہ کے تسلیم کر لی گئی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اقدار (value) اور ثقافت بھی تبدیل ہونی چاہیے۔ اس تصور کو اتنے وثوق سے بیان کیا جاتا ہے کہ بعض بظاہر معقول افراد بھی اس پر ایمان بالغب لے آتے ہیں اور جدیدیت کے نعرے کی لئے میں لے ملتے ہوئے اسلامی فکر و ثقافت کو یا تو قدامت قرار دے کر رد کرنا چاہتے ہیں یا اسلامی فکر و ثقافت کو بنیادی طور پر عربی ثقافت قرار دینے کے بعد یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس کی 'عربیت' سے نجات حاصل کرنے کے لیے قرآن و سنت میں موجود قوانین و ضوابط کو عرب قبائلی معاشرہ کا شر قرار دیتے ہوئے اور ان کی 'روح' کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی پسند کی ایسی شریعت وضع کر لیں جس میں حدود کے قرآنی قوانین اور وراحت اور منائحت کے احکام کو ساتویں صدی کے قوانین قرار دے کر دوسرے جدید کے مغربی قوانین و ضوابط کی روشنی میں نظر ٹانی کرنے کے بعد جدید شکل دی جائے اور اس طرح اپنے خیال میں اسلام کے جدید (modern) اور بے ضرر ہونے کو ثابت کیا جاسکے۔

اس جذبے کے قابلی احترام ہونے اور ایسے افراد کی تمام یہکیتی کے باوجود فکر کی غلطی مغرب کی ہنی غلامی اور مغرب کو اپنا قبلہ سمجھنے کا پہاڑتی ہے کیونکہ اصولی طور پر اسلامی فکر و ثقافت کی جزیں نہ عرب قبائل کی تہذیب میں پائی جاتی ہیں نہ ایرانی، افریقی یا ترک یا پاکستانی رسوم و رواج میں۔ اسلام کسی وطن یا قوم کو اپنا ماختذ نہیں مانتا۔ اسلامی فکر و ثقافت زمان و مکان اور وطیت اور علاقائیت کی قید سے آزاد ہو کر اپنی جزیں بجائے زمین میں پیوست کرنے کے وحی الہی کو اپنا ماختذ قرار دیتی ہے۔ چنانچہ اس کی جزیں فضا کی گھرائیوں میں متحکم ہیں اور تباہ، شانخیں اور پھل زمین پر پھیلی ہوئے ہیں۔

ایک سادہ نکتہ اسلامی فکر و ثقافت اور دیگر فکر و ثقافت کے نشوونما کے فرق کو زیادہ آسانی سے واضح کر سکتا ہے۔ غیر اسلامی فکر وہ اخلاق میں ہو، معیشت و معاشرت میں ہو یا سیاست و قانون میں اس کی ارتقائی شکل یوں نظر آتی ہے:



اس نتیجے میں غیر اسلامی ماڈل میں اخلاقی اقدار ایک معاشرتی ارتقائی عمل کے نتیجے میں وجود میں آتی ہیں اور عقلی طور پر وقت کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں جو اخلاقی اقدار انہار ہوئیں صدی میں باعث شرخ بھی جاتی ہے، وہ ۲۰ویں صدی میں متروک اور ناقابل عمل سمجھی جانے لگیں۔ اخلاق کو ارتقائی عمل کے تالیع کرنے کے نتیجے میں اخلاق ایک اضافی قدر بن گیا اور موقع اور محل کے لحاظ سے اس میں رد و بدل اور تبدیلی کو فطری سمجھ لیا گیا۔ اسلامی ماڈل اس تصور کی ضد ہے اور وہ وچی الہی کی بنیاد پر تازل کردہ اخلاقی اقدار کو ابدی، فطری اور مطلق قرار دیتا ہے۔

گویا علوم عمران، نفیيات، معیشت، سیاست و قانون کے مطالعے میں جو معاشرتی و ثقافتی ارتقا مشرق و مغرب کی درس گاہوں میں ذہن نشین کیا جاتا ہے اور جس کی بنیاد پر لادینی ذہن کے داشت و رہوں یادینی ہمدردی رکھنے والے "عوامی علامہ" اس بنیادی فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ دوسروں کو مطمئن اور خوش کرنے کے لیے کسی طرح اسلامی شریعت کے ان احکام کو جوان کی دانست میں عربوں کے قبائلی رسوم و رواج کا حصہ تھے اور خالقی کائنات نے شاید "مردوختا" قرآن کی محکم آیات میں شامل کر دیے تھے، ان پر نظر ہانی کر کے انھیں کسی نہ کسی طرح اقوام متحده کی کسی ذیلی کمیٹی کے مجوزہ معیار کے مطابق کر دیا جائے۔

اگر قرآن کریم غیر محرف، مطلق، کلام الہی منزل من اللہ اور اللہ تعالیٰ کی اپنی صفات پر دنیا میں اور لوح محفوظ پر اپنی اصل مکمل میں محفوظ ہے اور اللہ سبحانہ، تعالیٰ عزیز و علیم ہے تو کیا جس معاشرتی ارتقا، مکننیکی ترقی کی بنیاد پر یہ حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ حدود، وراشت، تعدد ازاواج وغیرہ کے

قرآنی نظام پر نظر ہانی ہونی چاہیے، یہ ترقی اور تبدیلی زمانہ و حالات اُس علیم ہستی کے احاطہ علم میں نہ تھا جس نے اس قرآن کریم اور صاحب قرآن کو قیامت تک کے لیے آخری شریعت قرار دیا؟ اس جملہ مفترضہ سے قطع نظر، اصل بات جو یہاں بیان کرنا مطلوب ہے یہ ہے کہ اسلامی فکر و ثقافت وحی کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے نہ کہ معاشرتی ارتقا کے نتیجے میں۔ وحی اس کی بنیاد ہے، وحی اس کا مأخذ ہے اور وحی اس کا مصدر ہے۔

وحی کے مصدر مطلق ہونے کو قرآن کریم نے مختلف مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم بعض بدیہات پر سے بھی سرسری طور پر گزر جائیں۔ قرآن کریم میں شہد کی کمکی کے حوالے سے فرمایا گیا ”اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی کمکی پر یہ بات وحی کردی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور نیلوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھولوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔ اس کمکی کے اندر سے رنگ برنگ کا شربت لکھتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لیے۔ یقیناً اس میں بھی ایک نفائی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“ (النحل: ۱۶-۲۹)

شہد کی کمکی کو جو کام وحی کے ذریعے کرنے کا حکم دیا گیا وہ اس پر کاربند ہے۔ اسے جو شریعت دی گئی اور ”جسے رب کی ہموار کی ہوئی راہ“ کہا گیا وہ اس پر استقامت سے کام کر رہی ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک دنیا کے ہر خطے میں منوں ٹھوٹ شہد جس شریعت پر عمل کرنے کے نتیجے میں انسانوں کو شفاذینے اور لذت کام وہن کے لیے مل رہا ہے۔ جدید ترین مکالوں کی میسر آجائے کے بعد بھی اُس شریعت میں کوئی تبدیلی نہ واقع ہوئی نہ واقع کی جاسکی۔ حالات بدلتے رہے۔ سنگار خ پہاڑ ہوں یا الجہاتے کھیت، میدانی علاقوں ہوں یا شہر، شہد کی کمکی ایک ماہر سول انہیں کی طرح موم کے چھتے کیساں پیکیاں اور یکساں زاویوں کی شکل میں ہزارہا سال سے بنارہی ہے۔ کسی مکان کی چھت کا اندر وہی حصہ ہو یا کسی درخت کی شاخ یا پہاڑی کا غار، وہ فنی جائزے کے بعد طے کرتی ہے کہ کہاں پر شہد زیادہ حفظ رہے گا۔ بعض اوقات وہ صرف ایک قسم کے پھولوں سے رس لے کر آتی ہے اور بعض اوقات مختلف رنگوں کے پھولوں سے اور یہ سب کچھ ایک شریعت اور ضابطے کے تحت کر رہی ہے۔ شہد کی اس ثقافت کی بنیاد صرف وحی پر ہے۔ شہد کی

کمھی کی اپنی اونچ، ارتقائی فلکر یا ماحول سے سکھنے کے بعد ایک فی صلاحیت پیدا کرنے پر نہیں ہے۔ اسی طرح دیگر تخلوقات اپنے اپنے دائرہ کار میں وہی الہی کی بنیاد پر مقرر کردہ نظام پر عمل ہی رہا ہے۔ آسٹریلیا میں پائے جانے والے بعض پرندے اثے دینے کے بعد آسٹریلیا سے امریکا کا رُخ کرتے ہیں۔ ان کے نومولود بچے جیسے ہی اٹنے کے قابل ہوتے ہیں فطری طور پر اپنے ماں باپ کی طرح کسی رہنمہ اور گایہ یہیڈ کی مدد کے بغیر وہی کی بنیا پر امریکا کا رُخ کرتے ہیں۔ انسانوں کے لیے وہی کلامِ الہی کی صورت میں کتاب میں تحریری صورت میں آتی ہے۔

اسلامی فلکرو ثقافت کے وہی پرمی ہونے کی وجہ سے اس کی چار بنیادی خصوصیات اُبھر کر سامنے آتی ہیں جو براہ راست وہی سے دایستہ ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ کہ یہ فلکرو ثقافت کسی دیومالائی ماضی (past) کی مرہون منت نہیں بلکہ روشن تاریخی سیاق میں وجود میں آئی ہے کیونکہ خود الکتاب اپنے بارے میں یہ بتاتی ہے کہ اسے ایک مبارک قوت و قدرت رکھنے والی رات (ليلة القدر) میں نازل کیا گیا جس کی تقویم یہ بتاتی ہے کہ یہ رمضان کی آخری ۱۰ راتوں میں سے ایک طاقت رات تھی۔ محدثین کا غالب گمان یہی ہے کہ یہ ستائیسویں شب تھی لیکن بعض حکمتوں کی بنیا پر قرآن کریم اور صاحبِ قرآن نے اس کے نزول کو کسی ایک رات میں محدود کرنے کی جگہ ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ ویں شب میں سے کسی ایک میں قرار دیا تا کہ آخری عشرے میں تمام طاقت راتوں میں اہل ایمان قرآن کریم سے اپنے رشتے کوتا زہ اور مسحکم کر سکیں۔

اسی بات کو عموم کے ساتھ سورۃ الدخان میں مبارک رات کے حوالے سے کہا گیا اور اس کو البقرہ میں رمضان کے روزے کی فرضیت کے سیاق میں بیان کیا گیا۔ وہی الہی اور دیگر معروف صحیف سماوی کا تقابی مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ ہندو ازام کی مقدس کتابیں ہوں یا انجیل و تورات، او سیتا یا بدھ ازم میں بدھا سے منسوب کلمات، ان کی تدوین و تسویہ ان مذاہب کے بانیان کے وصال کے بہت عرصہ بعد اکثر ان افراد نے کی جو کم از کم دوسرا نسل سے تعلق رکھتے تھے و گرنہ صدیوں بعد ان تعلیمات کو تحریریں لایا گیا۔ بدھا کی تعلیمات ان کی وفات کے سال ۳۰۰ قبل مسیح مرتبہ پالی زبان میں مرتب ہوئیں اور پھر تجمہ در ترجمہ دیگر زبانوں میں منتقل ہوئیں۔ ہندو ازام کی مقدس کتب صدیوں تک گردش کرنے کے بعد تحریریں محفوظ کی گئیں۔ قطعیت کے ساتھ

یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان کا صحیح سند نزول کون سا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہی جس لمحے سے نازل ہوئی قرآن کریم کی مشکل میں نہ صرف تحریر بلکہ حافظوں میں اس کا ایک ایک حرف و صوت صحابہ کرام اور خود شارعِ اعظم کے سینہ اقدس میں محفوظ ہو گیا اور ہر سال رمضان المبارک میں ہزاروں لاکھوں افراد کے مجمع میں مسلسل پندرہ سو سال سے اس کی اجتماعی تلاوت، اس کی حفاظت اور نشر و اشاعت کا ایک فطری عمل بن گئی۔ گوا اسلامی فکر و ثقافت کی یہ بنیاد ایک تاریخی حقیقت ہے۔ یہ فضول دیوالائی کہانیوں کی طرح غیر معتبر نہیں۔ یہ فکر و ثقافت اپنی جو ہر مشکل میں اسی وقت وجود میں آگئی جب وہی الٰہی نے پڑھنے اور قرأت کرنے کے حکم کے ساتھ انسانیت کی ہدایت، تعلیم اور تربیت کے لیے ایک جامع اور مکمل ہدایت نامہ انسانوں کے حوالے کیا۔

اسلامی فکر و ثقافت کی دوسری اہم خصوصیت اس کی عالم گیریت ہے۔ انسانوں کے ساختہ نظام، فلسفے اور قوانین وقت اور مکان کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی فلسفہ ہو یا جدیدیت پر مبنی فکر، وقت گزرنے کے ساتھ اس میں تبدیلی، نظریاتی، حذف و اضافے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ وہی الٰہی وقت و مکان کی قید سے آزاد وہ جامع اصول اور محکم ہدایات دیتی ہے جو وقت کے گزرنے اور معاشرتی تبدیلیوں کے باوجود انسان کے مسائل کا حل پیش کرتی ہیں۔ یہ عالم گیریت جو وہی کی پیچان ہے، یہی عالم گیریت اسلامی فکر و ثقافت کو قوم وطن، جغرافیائی خطوط اور وقت کی قید سے نکال کر ایک عالمی ثقافت کا مقام دیتی ہے۔ چنانچہ مرکاش سے انڈونیشیا اور ویانا سے سُڈنی تک جہاں کہیں بھی مسلمان پہنچان کے بودو باش، لباس، غذا، معاشرتی تعلقات، تجارتی معاملات، ہر پہلو سے ان کی سرگرمیوں میں ممائش پائی جاتی ہے۔ ایک مسلمان دنیا کے کسی بھی خطے میں چلا جائے اس کا تعارف اسلامی ثقافت ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ چاہے وہ تاجک زبان نہ جانتا ہو، اس کا پہلا تعارفی کلمہ "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" ایک تاجک کو بتا دیتا ہے کہ یہ اس کا دینی بھائی ہے اور جو ابا اہلاؤ سہلہ یا خوش آمدید سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ عالم گیر اسلامی فکر و ثقافت کے اثرات، وقت اور مکان کی قید سے بلند دنیا کے ہر خطے میں یکساں پائے جاتے ہیں۔

اسلامی فکر و ثقافت کی تیسرا اہم خصوصیت اس کی جامعیت ہے۔ یہ کوئی نمائشی ثقافت نہیں ہے جو چہروں پر رنگ برلنگے غازے مل کر اور مخصوص لباس پہن کر اپنی انفرادیت کا اعلان

کرے جیسا کہ بالعموم افریقی قبائل کی ثقافت کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے۔ یہ ثقافت ایک مسلمان کو مدد سے لحد تک زندگی گزارنے کا طریقہ سمجھاتی ہے۔ مالی معاملات ہوں یا تغیراتی منصوبے، اس کا لباس ہو یا کاشت کاری اور صنعت و حرفت، شادی بیوہ کی تقریبات ہوں یا مراسم عبودیت حتیٰ کہ شوہر اور بیوی کے انتہائی ذاتی معاملات ہوں یا سیاست اور عالمی تناظر میں کیے گئے معاهدے، ہر سرگرمی کے لیے ایک فکر، ایک طریقہ اور ایک طرزِ عمل کی تعلیم دیتی ہے۔ یہ ہمہ گیر ثقافت زندگی کے تمام معاملات کا احاطہ کرتی ہے اور اسی ثقافت کی جھلک اس کے فن تعمیر، ادب و شعر، تعلیمی اور رفاقتی سرگرمیوں میں نظر آتی ہے۔

یہ فکر و ثقافت مختلف ثقافتوں کا ملخواب نہیں ہے لیکن ہر وہ انسانی عمل جو اس فکر و ثقافت کے بنیادی مقاصد اور اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے، یہ ثقافت اسے جذب کرنے اور جذب کرنے کے عمل میں اس میں (qualitative) تبدیلی یا ماہیستو قلبی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسجد کا مینارہ کہیں سیک مرمر سے مزین ہوتا ہے، کہیں کاشی ٹائلوں سے، کہیں سرخ پتھر سے، کہیں glazed وائینوں سے، کہیں اس کی بنیاد چوکور ہوتی ہیں، کہیں ہشت پہلو اور کہیں گول لیکن دنیا کے ہر گوشے میں اس کا مقصد فضاوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اعلان ہی رہتا ہے۔

اسلامی فکر اور ثقافت کی چوتھی پہچان اس کا زندگی کے معاملات میں آسانی پیدا کرنا (ییر) ہے۔ یہ انسانوں کو غیر ضروری رسوم و رواج، عبادات کے پیچیدہ اور پُر اسرار طریقوں سے نجات دلا کر سادگی اور آسانی کے ساتھ اپنے رب کی بندگی کی تعلیم دیتی ہے اور زندگی کے معاملات میں زیست اختیار کرنے کے ساتھ اسراف و تبذیر سے بچانے کی کوشش کرتی ہے۔ مسلم معاشرے کی پندرہ سو سال کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب انہی ایمان نے وحی الہی پر بنی فکر و ثقافت سے اپنا رشتہ توڑا، وہ نمائشی زندگی، اسراف و نیش کا شکار ہوئے اور جب ان کا رشتہ وحی الہی پر بنی فکر و ثقافت سے جڑا، ان کی زندگی عملیت، ترقی اور حقیقت پسندی کی مثال بنی۔

وہی پر بنی اسلامی فکر و ثقافت درحقیقت مقاصدِ شریعت کے حصول اور مصلحت عامہ کے پیش نظر معاشرتی، معاشی، سیاسی، قانونی اور تعلیمی اور سرگرمیوں کی تہذیب کرتی ہے۔ اسلامی فکر و ثقافت کا یہ پہلو نگاہوں سے اوچھل رہے تو اسلامی ثقافت کو محض چند علماتی افعال سے تعبیر کر دیا جاتا ہے